مولانا ارشاد الحق اثری ادارہ علوم اثریہ
فیصل آباد

اختلافِ امت اور مسلکِ اعتدال

امتِ مسلمہ کی پستی اور بربادی کے اسباب وعوامل پر غور کیا جائے تو سرفہرست اس کا سبب باہم اختلاف وتشتت نظر آئے گا۔ جس سے اللہ ذوالجلال نے بڑی شدت سے منع فرمایا کہ :

"ولا تکونوا کالذین تفرقوا واختلفوا من بعد ماجاءھم البینات"
(آل عمران ۱۰۵)

"ان کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے دلائل آجانے کے بعد اختلاف کیا اور فرقہ فرقہ بن گئے"

ایک دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے :

"ولا تنازعوا فتفشلوا وتذھب ریحکم" (الانفال ۴۶)

"کہ باہم مت جھگڑو ورنہ تم پھسل جاؤ گے اور تمہارا رعب جاتا رہے گا"

لہٰذا اُمت میں اختلاف کسی صورت محمود نہیں۔ بالخصوص جب کہ اس نے نظر وفکر کی حدود کو پھلانگ کر عملی طور پر باہم انتشار وافتراق کی صورت اختیار کر لی ہو۔ بعض حضرات صحابہ کرام اور ائمہ دین کے مابین فقہی واجتہادی اختلاف کو "رحمت" سمجھتے ہیں۔ اور اس بات کے قائل ہیں کہ ان میں سے جس کسی کے فتویٰ پر عمل کر لیا جائے صحیح ہے۔ لیکن یہ بات بھی صحیح نہیں۔

علامہ ابن عبدالبر اسی اندازِ فکر کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

"ھذا مذھب ضعیف عند جماعة من اھل العلم وقد رفضه اکثر الفقھاء واھل النظر" (جامع بیان العلم ص ۷۸ ج ۲)

یعنی "یہ مذہب اہل علم کی ایک جماعت کے نزدیک ضعیف اور کمزور ہے اکثر فقہاء اور اہل نظر نے اس کو چھوڑ دیا ہے"

اس سلسلے میں انہوں نے یہ واقعہ بھی ذکر کیا ہے کہ حضرت ابی بن کعب اور حضرت ابن مسعود کے مابین ایک چادر میں نماز پڑھنے کے متعلق اختلاف ہوا حضرت ابیؓ نے فرمایا کہ ایک چادر میں نماز پڑھنا اچھا ہے اور حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ یہ اس وقت تھا جب کپڑے کم تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ کو علم ہوا تو غصہ کی حالت میں تشریف لائے اور فرمایا:

"اختلف رجلان من اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم فمن ينظر اليه ويؤخذ عنه وقد صدق ابي ولم يال ابن مسعود ولكني لا اسمع احدا يختلف فيه بعد مقامي هذا الا فعلت به كذا و كذا۔ (جامع بیان العلم ص ۸۴ ج ۲)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو ایسے ساتھیوں کا اختلاف جن کی طرف دیکھا جاتا ہے اور ان سے (مسائل) اخذ کیے جاتے ہیں۔ ابیؓ بن کعب نے سچ کہا اور ابن مسعودؓ نے بھی کوئی کمی نہیں کی۔ لیکن آج کے بعد یہاں جو بھی اختلاف کرے گا میں اس سے ایسے اور ایسے معاملہ کروں گا"

حضرت امام مالکؒ اور امام لیثؒ فرماتے ہیں:

"اختلاف اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم ليس كما قال ناس فيه توسعة ليس كذالك انما هو خطاء وصواب" (ایضاً ص ۸۱ ج ۲)

"صحابہ کرام کا اختلاف ایسا نہیں جیسا کہ لوگ کہتے ہیں کہ اس میں توسع ہے بلکہ اس میں خطاء ہے یا صواب ہے"

مگر اس کے برعکس کچھ حضرات "توسع" کے قائل ہیں بلکہ اختلاف کو "رحمت" قرار دینے پر بھی مصر ہیں۔ حیرت یہ کہ بعض نے تو اسی سلسلے میں ایک حدیث بھی بنا ڈالی کہ:

"اختلاف أمتي رحمة" (میری امت کا اختلاف رحمت ہے)

اس کے بارے میں علامہ المناویؒ علامہ السبکی سے نقل کرتے ہیں:

"لم اقف على سند صحيح ولا ضعيف ولا موضوع" (فیض القدیر ص ۲۱۲ ج ۱)

کہ "میں نہ اس کی کسی صحیح سند پر واقف ہوا ہوں اور نہ ہی کسی ضعیف اور موضوع

سند پر۔"

علامہ ابن حزمؒ الاحکام میں اسے باطل قرار دیتے ہوئے اپنے مخصوص انداز میں لکھتے ہیں :

"لو کان الاختلاف رحمۃ لکان الاتفاق سخطا وھذا مالا یقوله مسلم"۔ (الاحکام ص ۶۴ ج ۵)

کہ" اگر اختلاف رحمت ہے تو اتفاق ناراضگی کا باعث ہوگا اور یہ ایسی بات ہے جو کوئی بھی مسلمان نہیں کہہ سکتا۔"

بعض حضرات[1] اس سلسلے میں حضرت عمرؓ کی اس حدیث سے بھی استدلال کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میں نے اپنے بعد اپنے اصحابؓ کے اختلاف کے بارے میں اپنے رب تعالیٰ سے دریافت کیا تو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر یہ وحی نازل فرمائی کہ آپ کے اصحاب میرے نزدیک بمنزلہ آسمان کے ستاروں کے ہیں ان میں سے بعض بعض سے روشن ہیں :

"فمن اخذ بشئ مما ھم علیه من اختلافھم فھو عندی علی ھدی"

"پس جس شخص نے ان کے اختلاف کی صورت میں ان میں سے کسی ایک کے طریقہ کو اختیار کیا وہ میرے نزدیک ہدایت پر ہے"

لیکن یہ روایت بھی سخت ضعیف بلکہ باطل اور موضوع ہے۔ جب کہ اس کا راوی عبدالرحیم بن زید العمی کذاب ہے۔

علامہ المناویؒ نے علامہ ذہبیؒ سے نقل کیا ہے :

"ھذا الحدیث باطل" کہ یہ حدیث باطل ہے۔ فیض القدیر (ص ۶، ج ۴) امام بزارؒ نے بھی اس حدیث کو غیر صحیح بلکہ "کلام منکر" قرار دیا ہے جیسا کہ ابن تیمیہؒ نے منہاج السنۃ ص ۲۲۹ ج ۴ اور علامہ ابن عبدالبر نے جامع بیان العلم ص ۹۰ ج ۲ میں نقل کیا ہے۔ بلکہ "اصحابی کالنجوم" کے الفاظ سے جملہ روایات ناقابل اعتبار اور سخت ضعیف ہیں۔ جن کی تفصیل سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ (ص ۷۸۔ الی ۸۴ ج ۱) میں دیکھی جا سکتی

---

[1] بینات (ص ۱۲)

ہے۔

پھر جن حضرات کی نظر حضرات صحابہ کرامؓ کے فقہی مسائل پر ہے وہ بھی اس کی کبھی تائید نہیں کر سکتا۔ مثلاً حضرت ابوطلحہؓ برف کھانے سے روزہ ٹوٹ جانے کے قائل نہ تھے۔ (مسند احمد ص ۲۷۹ ج ۲ الاحکام ص ۸۳ ج ۶) حضرت سمرہ بن جندبؓ شراب کی خرید و فروخت کے قائل تھے۔ مسلم (ص ۲۳ ج ۲) مصنف عبدالرزاق (ص ۱۹۵، ۹۶ ج ۸) السنن الکبری (ص ۱۲ ج ۶) مسند حمیدی (ص ۹ ج ۱) وغیرہ۔

حضرت عبداللہؓ بن عمر کا مسائل میں تشدد اور حضرت ابن عباسؓ کا ان کے برعکس نرم ہونا اہل علم کے ہاں معروف ہے۔ ان میں سے ایک یہ کہ حضرت ابن عمرؓ غسل جنابت میں چہرے کے ساتھ آنکھوں کو کھول کر دھونے کے قائل تھے۔ (موطا مع الزرقانی (ص ۹۲ ج ۱) اسی بناء پر آخر عمر میں ان کی بینائی بھی جاتی رہی تھی۔ ان دونوں بزرگوں کے اسی نوعیت کے بعض تفردات کے لیے دیکھئے۔ زاد المعاد (ص ۱۹۵ ج ۱) فصل صوم یوم الشک۔ حضرت عبداللہؓ بن مسعود رکوع میں ہاتھ گھٹنوں پر رکھنے کی بجائے دو گھٹنوں کے درمیان رکھنے (یعنی تطبیق) کے قائل تھے۔ صحیح مسلم (ص ۲۰۲ ج ۱) وغیرہ۔ اسی نوعیت کے بیسیوں مسائل ہیں جن میں صحابہ کرامؓ کے قول و عمل پر امت نے صاد نہیں فرمایا۔ حضرات صحابہ کرامؓ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے دور میں بھی اپنے فتویٰ کا اظہار کرتے۔ جن میں سے بعض ایسے بھی ہیں جن کی تردید خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمائی۔

حضرت ابوالسنابلؓ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں سبیعۃؓ الاسلمیہ کو یہ فتویٰ دیا کہ اس کی عدت وضع حمل نہیں بلکہ چار ماہ دس دن ہے۔ مگر جب سبیعہؓ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کیا تو آپؐ نے ابوالسنابلؓ کی تردید فرمائی۔ مقام غور ہے کہ اس کے باوجود حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا فتویٰ یہی ہے کہ حاملہ کی عدت چار ماہ دس دن یا ابعد الأجلین ہے۔ بلکہ امام شافعی اور امام محمد بن نصر مروزی نے ایسے مسائل پر مستقل رسائل لکھے ہیں جن میں حضرت علی اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کے ان فتاویٰ کو جمع کیا گیا ہے جو سنتِ معروفہ کے مطابق نہیں۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔

منہاج السنۃ (ص ۱۵۶، ۱۳۶ ج ۳)

جب صورت واقعہ یہ ہے تو کیا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ امکان ختم ہو گیا

تھا کہ کسی صحابیؓ سے کوئی غیر صحیح فتویٰ صادر نہیں ہوگا کہ آپؐ نے فرمایا " بایھم اقتدایتم اھتدایتم " کہ ان میں سے جس کی تم اقتداء کروگے ہدایت پاؤگے ؟ - کلاّ ثمّ کلاّ - بلکہ ہم تو دیکھتے ہیں کہ حضرت عبداللہؓ بن مسعود جیسے فقیہہ امت واشگاف الفاظ میں فرماتے ہیں :

" فان کان حقا فمن الله وان کان باطلا فمنی، والله ورسولهٗ بریان "

ابوداؤد مع العون (ص ۲۰۲ ج ۲)

کہ " اگر یہ حق ہے تو یہ اللہ کی جانب سے ہے، اور اگر باطل ہے تو یہ میری طرف سے ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم اس سے بری الذمہ ہیں "

لہٰذا یہ بات کیونکر صحیح باور کی جا سکتی ہے کہ " جس صحابی کی بھی اقتدا کروگے ہدایت پاؤگے [۱] البتہ حضرات صحابہ کرامؓ کے اجماعی اور متفق علیہ مسائل سے انحراف قطعاً صحیح نہیں ...حابہ کرامؓ کے مابین اختلاف کا کون انکار کرسکتا ہے ، مگر ان کا یہ اختلاف اجتہاد و دلائل ...ں تحری اور تتبع کے مختلف ہونے کی بنا پر ہے - اگر کسی مسئلہ میں ان سے خطا بھی ہوئی تو

---

[۱] امام المزنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حدیث اصحابی کالنجوم " اگر صحیح ہے تو اس کے معنی بس یہی ہیں کہ وہ ...کچھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں اس میں وہ امین و مقتدا ہیں : - ان صح هذا الخبر فمعناه ...ا نقلوا عنه وشهدوا به عليهم فكلهم ثقة مؤتمن على ما جاء به لا يجوز عندى غير ...ذا الخ جامع بیان العلم ص ۹۰ ج ۲ - علامہ ابن عبدالبر نے یہی قول التمہید (ص ۲۶۳ ج ۴) میں بھی ...ں کیا ہے اس کے ساتھ ساتھ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت مسورؓ کے مابین ایک مسئلہ میں اختلاف کرتے ...ئے فرماتے ہیں " ولو کانوا کالنجوم فی آراء هم واجتهادهم اذا اختلفوا لقال ابن عباس ...سور انت نجم وانا نجم فلا عليك وبأينا اقتدى فى قوله فقد اهتدى الخ "-

کہ " اگر صحابہ کرام اپنی آراء اور اپنے مختلف اجتہادات میں ستاروں کی مانند ہوتے تو حضرت ابن عباسؓ جناب مسورؓ سے فرماتے تم بھی ستارے ہو میں بھی ستارہ ہوں لہٰذا کوئی بات نہیں جو بھی ہم میں سے کسی کی اقتدا کرے گا ہدایت پر ہوگا " (التمہید ص ۲۶۴ ج ۴)

اس کے بعد انہوں نے اسی نقطہ نظر پر نفیس اشارے کیے ہیں اور ثابت کیا ہے کہ صحابہ کرامؓ اپنے مختلف فیہ ...ہادات میں قطعاً ستاروں کی مانند نہیں بلکہ وہ ایک دوسرے سے دلیل کا مطالبہ کرتے - جس کے پاس ...ب وسنت سے دلیل ہوتی اس کا قول قبول کرلیتے ورنہ اسے رد کردیتے ہیں -

وہ عنداللہ ماجور ہیں۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

"اذا حکم الحاکم فاجتھد فاصاب فلہٗ اجران وان حکم فاجتھد فأخطا فلہٗ اجر" (بخاری و مسلم و ابوداؤد ص ۳۲۴ ج ۲ وغیرہ)

کہ "جب حاکم اجتہاد کرے اور وہ راہ صواب کو پہنچ جائے تو اسے دو اجر ملیں گے اور اگر اس سے خطا ہوئی تو اسے ایک اجر ملے گا۔"

وہ اس اختلاف کے باوجود باہم شیر و شکر تھے اور منافرت سے محفوظ تھے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما اور دیگر صحابہ کرامؓ سفر میں نماز قصر کے قائل تھے مگر اس کے باوجود حضرت عثمانؓ کے پیچھے منیٰ میں چار رکعتیں بھی پڑھ لیتے تھے۔ (مسلم ص ۲۴۳ ج ۱)

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے صحابہ کرامؓ اور تابعین عظامؒ کا یہ عمل نقل کیا کہ وہ فقہی مسائل میں اختلاف کے باوجود ایک دوسرے کے پیچھے نمازیں پڑھتے تھے تفصیل کے لیے دیکھئے: (الفتاوی الکبریٰ ص ۳۸۰ ج ۲)

امام احمدؒ خون نکلنے سے وضو، ٹوٹ جانے کے قائل تھے ان سے پوچھا گیا کہ اگر کسی امام نے خون نکلنے پر وضو نہیں کیا تو آپ اس کے پیچھے نماز پڑھیں گے؟ تو انہوں نے فرمایا :

"کیف لا اصلی خلف الامام مالک وسعید بن المسیب"

کہ "میں امام مالکؒ اور سعیدؒ بن مسیب (جو کہ خون نکلنے سے وضو کے قائل نہ تھے) کے پیچھے نماز کیوں نہ پڑھوں" (الفتاوی الکبریٰ لابن تیمیہ (ص ۳۸۱ ج ۲) وحجۃ اللہ ص ۱۵۹ ج ۱)

قاضی ابویوسفؒ نے ایسے کنویں کے پانی سے غسل کر کے نماز جمعہ پڑھا دی جس میں چوہا مرا ہوا تھا جب انہیں اس پر خبردار کیا گیا تو انہوں نے فرمایا :

"نأخذ بقول اخواننا من اھل المدینۃ اذا بلغ الماء قلتین لم یحمل خبثا"

کہ "ہم آج اپنے بھائی اہل مدینہ کے قول پر عمل کرتے ہیں کہ جب پانی دو قلے ہو تو وہ پلید نہیں ہوتا"

اسی طرح قاضی ابویوسف نے ایک مرتبہ خلیفہ الرشید کے پیچھے نماز پڑھی دراں حالیکہ

خلیفہ نے سنگی لگوائی اور امام مالک کے قول کے مطابق انھوں نے وضو نہ کیا مگر قاضی ابو یوسف نے نماز دوہرانے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ (الفتاویٰ الکبریٰ ص ۳۸۰ ج ۲)۔

سلف کے مابین فقہی اختلاف کی یہی نوعیت تھی۔ مگر بعد کے ادوار میں جب تحقیق کی جگہ عناد و جمود نے لی اور فقہی مسائل کی حیثیت معاذاللہ "شرائع متعددہ" کی سی بنا دی گئی۔ جیسا کہ علامہ المناوی نے فیض القدیر (ص ۲۰۹ ج ۱) میں اشارہ کیا ہے اور انہی کے حوالہ سے مولانا مفتی محمد شفیع مرحوم لکھتے ہیں:

"فقہاء امت کے مختلف مسالک کا وہ درجہ ہوگا جو زمانہ سابقہ میں انبیاء علیہم السلام کی مختلف شرائع کا تھا کہ مختلف ہونے کے باوجود سب کے سب اللہ ہی کے احکام تھے۔" (معارف القرآن ص ۲۶۴ ج ۳)

جس کا مفہوم بالکل واضح ہے کہ فقہاء کرام بالخصوص ائمہ اربعہ کے مابین فقہی اختلاف کی پوزیشن انبیاء سابقین علیہم السلام کی مختلف شرائع کی ہے۔ جو جس کا تبع ہے وہ حق پر ہے لیکن کیا یہ فقہی اجتہادات و اختلافات تمام کے تمام من جانب اللہ ہیں؟ سُبۡحٰنَكَ هٰذَا بُهۡتَانٌ عَظِيۡمٌ!

وقد صدق الله عزّ وجلّ:

"ولو كان من عند غير الله لوجدوا فيه اختلافا كثيرا"

مگر اسی فکر کا نتیجہ ہے کہ ان فقہی مکتب فکر سے وابستہ حضرات میں اختلاف و انتشار کی ایسی مسموم فضا پیدا ہوئی کہ جس کا تصور کسی مسلمان جماعت سے ممکن نہیں چنانچہ محمد بن موسیٰ جو کہ حنفی فکر کے تبع اور دمشق کے قاضی تھے کہا کرتے:

"لو كان لي امر لاخذت الجزية من الشافعية"

(میزان الاعتدال ص ۵۲ ج ۴ والجواہر المضیئہ ترجمہ محمد بن موسیٰ مذکور)

"کہ اگر میرے اختیار میں ہو تو شافعیوں سے جزیہ وصول کرتا"

مقام غور ہے کہ قاضی محمد بن موسیٰ آخر شافعیوں کو کیا سمجھتے تھے؟ جزیہ تو بہرحال کافروں سے وصول کیا جاتا ہے۔ علامہ یاقوت الحموی "الری" کے حالات کے تحت لکھتے ہیں:

کہ وہاں تین گروہ تھے شافعی سب سے کم ان سے زیادہ حنفی جب کہ وہاں "سوادِ اعظم" شیعہ تھے بلکہ نصف آبادی شیعہ حضرات کی تھی۔ وہاں پہلے شیعہ سنی فساد رونما ہوا تو شافعیوں

اور حنفیوں نے مل کر شیعہ کو تہس نہس کر ڈالا تا آنکہ کوئی قابلِ ذکر شیعہ نہ بچ سکا۔ اس کے بعد حنفیوں اور شافعیوں کے مابین لڑائیاں ہوئیں مگر شافعی باوجودیکہ تعداد میں کم تھے مگر وہ ہر بار غالب آتے "الرستاق" کے حنفیوں نے اپنے ہمنواؤں کی امداد بھی کی مگر کوئی پیش نہ گئی، یہاں تک کہ شیعہ اور حنفیوں میں سے وہی بچ سکا جس نے اپنے مسلک کو چھپائے رکھا بلکہ انہوں نے چھپنے کے لیے اپنے گھروں کو تہہ خانوں میں منتقل کر لیا تھا اور اگر وہ یوں نہ کرتے تو ان میں سے کوئی بھی نہ بچ سکتا۔ (معجم البلدان ص ۱۱۷ ج ۴، ظہر الاسلام ص ۸۰ ج ۱)

اسی طرح علامہ موصوف "اصبہان" کے حالات میں لکھتے ہیں:

"وقد نشا الخراب فی هذا الوقت وقبله فی نواحیها لکثرة الفتن و التعصب بین الشافعیة والحنفیة والحروب المتصلة بین الحزبین فکلما ظهرت طائفة نهبت محلة الاخری و احرقتها وخربتها لا یأخذ فی ذلک الا ولا ذمة" (معجم البلدان ص ۲۰۹ ج ۱)

یعنی "اس زمانہ میں اور اس سے قبل نواح اصبہان میں شافعیہ و حنفیہ کے مابین تعصب کے نتیجہ میں تباہی پھیل گئی۔ دونوں جماعتوں میں مسلسل لڑائی رہتی جب ایک دوسرے پر غلبہ حاصل کر لیتا تو وہ ان کے مکانات اکھاڑ ڈالتا اور جلا دیتا اور یہ کام کرتے ہوئے عار محسوس نہ ہوتی۔"

علامہ ابن کثیر ۳۲۴ھ کے حوادث میں لکھتے ہیں کہ حنابلہ کی شان و شوکت بڑھ گئی۔ جہاں بھی نبیذ دیکھتے اسے گرا دیتے، مغنیہ پاتے تو اسے مارتے اور آلاتِ لہو و لعب توڑ دیتے، مرد اپنی عورت اور بچوں کے ساتھ چلتا نظر آجاتا تو اس سے پوچھتے، یہ ساتھ کون ہے؟ وہ اگر صحیح بات کہتا تو فبہا ورنہ اسے خوب مارتے پیٹتے اور فاحشہ قرار دے کر سپاہیوں کے سپرد کر دیتے۔ بالآخر جمادی الاخریٰ میں بدر الخرشی نے نواحی بغداد میں اعلان کروا دیا کہ دو حنبلی کسی جگہ جمع نہیں ہو سکتے اور نہ کوئی ان سے مناظرہ و مناقشہ کرے اور مغرب و عشاء اور صبح کی نماز میں (امام شافعی کے قول کے مطابق) کوئی امام بسم اللہ بلند آواز سے پڑھے بغیر نہ پڑھائے۔ جس پر فتنہ مزید بڑھا۔ کوئی شافعی المذہب مل جاتا تو وہ اسے مار مار کر ادھ موا کر دیتے (الکامل ص ۳۰۴، ۳۰۸ ج ۸ وظہر الاسلام ص ۷۹، ۸۰ ج ۱)۔

اسی طرح علامہ ابن اثیر ۴۷۴ھ کے حالات میں لکھتے ہیں کہ حنابلہ و شافعیہ کے مابین اختلاف وانتشار بڑھا تو ابو علی بن الفراء اور ابن تیمی حنابلہ کی قیادت کرتے تھے اور نماز میں جھراً بسم اللہ پڑھنے اور اذان میں ترجیع پر شدید انکار کرتے تھے تا آنکہ معاملہ خلیفہ تک پہنچا مگر کوئی فیصلہ نہ ہوا۔ حنابلہ نے "باب الشعیر" کی مسجد میں پہنچکر امام کو جھراً بسم اللہ پڑھنے سے منع کیا تو امام نے قرآن نکال کر کہا۔

"ازیلوها من المصحف حتی لا اتلوها۔"

کہ "اس کو قرآن مجید سے نکال دو تاکہ میں اسے نہ پڑھوں۔" (الکامل ص۱۱۴ ج۹)

ابن اثیر لکھتے ہیں کہ ۴۷۵ھ میں شیخ شریف ابوالقاسم البکری المغربی بغداد آئے، وہ شافعی شعری تھے، مدرسہ نظامیہ میں وعظ کرنے لگے حنابلہ کو مخاطب کرکے کہا کرتے تھے:

"ماکفر سلیمان ولکن الشیاطین کفروا، واللہ ماکفر احمد ولکن اصحابہ کفروا۔"

کہ "سلیمان علیہ السلام نے کفر نہیں کیا شیاطین نے کفر کیا ہے، بخدا امام احمد کافر نہیں مگر ان کے پیروکار کافر ہیں۔" (الکامل ص ۱۳۴ ج ۱۰)

مصر امام شافعی رح کا مدفن ہے اس لیے اہل مصر سمجھتے تھے کہ مصر میں امام شافعی رح کا "سکہ" چلنا چاہیے۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی طبقات الشافعیہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

"جب الملک الظاہر بیبرس نے پچھلے دستور کے برخلاف شافعی قاضی القضاۃ کے علاوہ باقی تینوں مذاہب کے بھی علیحدہ علیحدہ قاضی مقرر کیے تو فقہاء شافعیہ نے اس کو سخت ناپسندیدگی کی نظر دیکھا، اس لیے کہ وہ مصر کو شافعی قاضی القضاۃ کے تحت دیکھنا چاہتے تھے اور سمجھتے تھے کہ قدیم روایات اور امام شافعی رح کا مدفن ہونے کی وجہ سے مصر پر مذہب شافعی کا "حق" ہے۔ جب بیبرس کی حکومت کا خاتمہ ہوا، اور اس کے خاندان سے حکومت منتقل ہوئی تو بعض شافعیہ نے اس کو اس فعل کی سزا اور قدرتی انتقام سمجھا۔"

(تاریخ دعوت و عزیمت ص ۳۴ جلد ۲ نیز ملاحظہ ہوں طبقات الشافعیہ (ص ۴، ج ۱)

علاوہ ازیں کون نہیں جانتا کہ بلد الامین میں حنفی، شافعی، حنبلی اور مالکی چار مصلے قائم کر دیئے گئے، جن پر ہر امام کے مقلد علیحدہ علیحدہ نماز پڑھتے تھے۔ حالانکہ حنفیہ کے نزدیک

دوسری مرتبہ جماعت مکروہ تحریمی ہے ۔ مقامِ غور ہے کہ پہلے جو شافعی یا مثلاً مالکی وغیرہ کی جماعت ہوتی تھی تو کیا وہ نماز با جماعت نہ تھی ؟ کہ وہاں دوبارہ نماز پڑھائی جاتی رہی ؟ فجر، ظہر، عصر اور عشاء میں وقت تو زیادہ ہوتا ہے مگر مغرب کی نماز کے وقت جو صورت تھی اس کا چشم دید حال مشہور سیاح محمد بن جبیر اندلسی اپنے سفرنامہ میں لکھتے ہیں :

"مگر مغرب کی نماز وقت کی تنگی کی وجہ سے سب امام ایک ساتھ ہی ادا کرتے ہیں۔ اس وقت کی نماز میں تمام مقتدی اپنے اپنے مؤذن اور اماموں کی آوازوں پر بغور متوجہ رہتے ہیں اس لیے کہ چاروں طرف سے کان میں تکبیروں کی آواز آتی ہے اور نمازیوں کو دھوکا ہوتا ہے۔ کبھی مالکی، شافعی اور حنبلی مؤذنوں کی تکبیر پر رکوع و سجود کرتے ہیں اور کبھی اپنے امام کے خلاف دوسرے امام کے ساتھ سلام پھیر دیتے ہیں۔" (سفرنامہ ابن جبیر صـ۸۵ مترجم)

لاریب کہ علماء محققین نے اس فعلِ شنیع پر انکار کیا[۱]۔ مگر بتلانا یہ مقصود ہے کہ یہ فقہی مسلک گروہی عصبیت میں اس قدر دُور نکل چکے تھے کہ ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھنے کے بھی روا دار نہ تھے ۔ بلکہ حد یہ ہے کہ فقہی مسائل میں باہم مناظرہ و مناقشہ کے وقت روزہ افطار کرنے کی بھی اجازت مرحمت فرما دی گئی ۔ تاکہ پوری قوت سے "باطل" کے خلاف "جہاد" ہو سکے ۔ اور احقاقِ حق میں کسی قسم کی کمزوری نہ رہے ، چنانچہ علامہ شعرانیؒ اپنے شیخ سید علی خواصیؒ سے نقل کرتے ہیں کہ :

"قد بلغنا من وراء النهر جماعة من الشافعية والحنفية يفطرون في نهار رمضان ليتقووا على الجدال وادحاض بعضهم حجج بعض"۔

(المیزان الکبریٰ صـ$\frac{۴۶}{۱ج}$)

"ہمیں ماوراء النہر کے شافعیوں اور حنفیوں کی ایک جماعت سے یہ بات پہنچی ہے کہ وہ مناظرہ کے وقت اور ایک دوسرے کے دلائل کا جواب دینے کے

---

[۱] علامہ شامی نے علمائے احناف و مالکیہ کے اس سلسلہ میں کچھ فتاویٰ نقل کیے ہیں۔ مگر خود ان کی رائے یہ ہے کہ مکہ مکرمہ اور مسجد نبوی کا حکم "مسجد شارع" کا ہے لہٰذا ان میں تکرارِ جماعت مکروہ نہیں (ردّ المختار صـ$\frac{۵۵۳}{۱ج}$) گویا موصوف اس فعل کے لیے سندِ جواز پیش کر رہے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۔ حالانکہ "حرمین" کا حکم مسجد شارع قرار دینا بھی صحیح نہیں جبکہ "مسجد شارع" میں امام مقرر نہیں ہوتا برعکس حرمین کے ۔ فتدبر !

وقت روزہ افطار کر دیتے تھے تاکہ جدال یعنی مناظرہ میں قوت رہے"!

علامہ محمد انور کاشمیری مرحوم نے بھی اسی بات کا اعتراف کیا ہے کہ فقہ کی کتابوں میں یہ مسئلہ بھی ہے کہ :

"ان حنفیا لو ناظر شافعیا فی رمضان ورأی ان الصوم یضعفہ جاز لہ الافطار" الخ

کہ "حنفی اگر کسی شافعی سے رمضان کے مہینہ میں مناظرہ کرے اور وہ روزہ کی وجہ سے کمزوری کا احساس کرے تو اس کے لیے روزہ افطار کرنا جائز ہے"

(فیض الباری ص۱۹۶ ج۲ باب فضل صلوٰۃ الفجر فی الجماعۃ)

علامہ کاشمیریؒ نے تو الحمد للہ اس کی تردید فرمادی اور کہا کہ اس پر عمل مناسب نہیں۔ مگر ہمیں یہ بتلانا ہے کہ قرونِ ماضیہ میں مذہبی تنافر کس انتہاء کو پہنچ چکا تھا؛

یہی نہیں بلکہ بعض نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ شافعیوں سے رشتہ مناکحت جائز نہیں چنانچہ فتاویٰ البزازیہ میں ہے :

"وقال الامام السفکردری لا ینبغی للحنفی ان یزوج بنتہ من شافعی المذھب ولکن یتزوج منھم" (ص۱۱۲ ج۴ نیز دیکھئے البحر الرائق باب الوتر والنوافل، وایضاً ص ۱۱۰ ج ۲)۔

یعنی "امام سفکردری نے کہا ہے کہ کسی حنفی کیلئے لائق نہیں کہ وہ اپنی بیٹی کا نکاح کسی شافعی نوجوان سے کرے البتہ شافعی کی لڑکی سے نکاح کر سکتا ہے"۔

یعنی جیسے اہل کتاب ہیں کہ ان کی عورت سے تو نکاح جائز ہے مگر مسلمان عورت کا نکاح اہل کتاب سے ممنوع و ناجائز ہے۔

ابھی ہم نے بلد الامین میں چار مصلوں کا ذکر کیا۔ علاوہ ازیں نمازی کے مسئلہ میں یہ بھی دیکھ لیجیے کہ کیا حنفی کے لیے شافعی کی اقتداء جائز ہے یا نہیں؟ فقیہ ابواللیث سمرقندی حنفی لکھتے ہیں :

"واما الاقتداء بالشافعی المذھب قالوا لا بأس بہ اذا لم یکن متعصبا ولا شاکا فی ایمانہ ببیانہ انہ لو قال انا مومن ان شاء اللہ اراد بہ الماضی والحال یکفر واذا اراد بہ المستقبل لا یکفر ولا

ینحرف عن القبلة تحریفا فاحشا وان یکون متوضا فی الخارج من غیر السبیلین وان لا یکون مترددا بالماء القلیل اذا وقعت فیه نجاسة اراد به القلتین وهی خمسمائة رطل بالعراقی وروی عن مکحول النسفی عن ابی حنیفة ان من رفع یدیه عند الرکوع وعند الرفع منه یفسد صلاته لانه عمل کثیر"

فتاوی النوازل (ص ۴۸، ۴۹)

یعنی شافعی امام کی اقتداء چند شروط کے ساتھ جائز ہے۔ (۱) وہ متعصب نہ ہو۔ (۲) اپنے ایمان کے بارے میں "انا مؤمن ان شاء اللّٰہ" کہ میں ان شاء اللہ مومن ہوں کا قائل نہ ہو کہ اگر اس سے مراد اس کی زمانہ حال و ماضی ہے تو وہ کافر ہے۔ اور اگر مستقبل مراد ہے تو کافر نہیں۔ (۳) قبلہ سے انحراف شدید نہ کرتا ہو۔ (۴) سبیلین کے علاوہ اگر اس کے بدن سے کوئی چیز (مثلاً خون) نکل آئے تو اس سے وضو کرے[1] (۵) تھوڑے سے پانی میں اگر نجاست گر گئی ہو تو اس سے وضو نہ کیا ہو اور "ماء قلیل" سے مراد قلتین ہیں جو کہ عراقی ۵۰۰ رطل کے برابر ہوتے ہیں۔ (۶) مکحول نسفی نے امام ابوحنیفہ سے نقل کیا ہے کہ جو رکوع جاتے اور اٹھتے وقت رفع یدین کرے اس کی نماز باطل ہے کیوں کہ یہ عمل کثیر ہے۔" (گویا شافعی رفع یدین نہ کرے تو اس کے پیچھے نماز درست ہے)۔

یہ ہیں وہ شرائط جن کی شافعی امام اگر پابندی نہ کرے تو وہ احناف کا امام نہیں بن سکتا۔ آخر الذکر کے علاوہ تقریباً یہی شروط قاضی خاں اور ردالمحتار (ص ۵۶۳ ج۱) وغیرہ میں بھی منقول ہیں۔ اور فتح القدیر ص ۳۱۱ ج ۱ میں ہے کہ "ابوالیسر" بھی کہتے ہیں کہ حنفی کو شافعی کی اقتداء نہیں کرنی چاہیئے کہ امام ابوحنیفہ سے منقول ہے کہ رفع یدین سے نماز فاسد ہو جاتی ہے کیونکہ یہ عمل کثیر ہے۔

---

[1] اور آج کچھ اسی قسم کے مسائل کی بناء پر بعض تنگ نظر فرماتے ہیں کہ اہل حدیث کی اقتدا نہیں کرنی چاہیئے ——— مگر شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ یہ رائے متبدعین کی ہے اور جمہور سلف امت کے مخالف ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھئے:- الفتاوی الکبریٰ ص ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۹۹ ج ۲ نیز دیکھئے العرف الشذی ص ۲۳/۵۱/۵

اب آپ ہی ازراہِ انصاف فرمائیں کہ فقہی اختلاف میں "دعویٰ توسع" کے بعد یہ لڑائیاں اور دوسرے امام کو حق پر سمجھنے کے باوجود ان کے متبعین سے یہ بے انصافی نہیں تو اور کیا ہے؟ یہ بات بڑے زور دار الفاظ سے باور کرائی جاتی ہے کہ ائمہ اربعہ حق پر ہیں۔ یہ چاروں نہریں ایک ہی دریا سے نکلی ہیں، ان کا مرکز و منبع ایک ہے۔ مگر مندرجہ بالا صورتِ حال کی روشنی میں تو یہی کہا جا سکتا ہے کہ "ہاتھی کے دانت دکھانے کے اور کھانے کے اور ہیں[ا]"

یہ فقہی اختلاف سلف میں بلکہ خود ائمہ اربعہ میں موجود تھا بایں ہمہ وہ ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھتے۔ جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں، امام احمدؒ سے پوچھا گیا کہ جو قرآن کا حافظ ہو مگر رفع الیدین نہ کرتا ہو کیا وہ امامت کا زیادہ مستحق ہے یا جو رفع الیدین کرتا ہو اور قرآن کا حافظ نہ ہو؟ تو انہوں نے فرمایا:

"یؤم القوم اقرأهم لکتاب الله وینبغی له ان یرفع یدیه لانه سنة"

کہ "حافظِ قرآن کو امام بنانا چاہیئے اور اسے چاہیئے کہ رفع یدین کرے کیوں کہ یہ سنت ہے" (مسائل الامام احمد بروایة ابن عبد الله ص ۷۰)۔

تقلید و جمود کے دَور کی اس المناکی پر ہر دَور کے اہلِ علم نے نکیر کی۔ علامہ تاج الدین سبکی م ۷۷۱ھ لکھتے ہیں:

"واما تعصبکم فی فروع الدین وحملکم الناس علیٰ مذهب واحد فهو الذی لا یقبله الله منکم ولا یحملکم علیه الا محض التعصب والتحاسد ولو ان اباحنیفة والشافعی ومالکا واحمد احیاء یرزقون لشددوا النکیر علیکم وتبرؤا منکم فیما

ا ان واقعات کے علاوہ ان حضرات مقلدین نے اپنے خلاف رائے رکھنے والے ائمہ دین سے جو سلوک کیا وہ [...]تعاتِ تاریخ کی امانت ہیں۔ امام حمیدی، امام بخاری شیخ الاسلام ھروی، حافظ عبدالغنی مقدسی، علامہ [...]حزم، علامہ منصور بن محمد تیمی، حافظ ابن تیمیہ، علامہ ابوبکر الفہری، علامہ ابوالحسن سندھی، امیر یمانی وغیرہ وہ [...]زات ہیں کہ تمام متاخرین ان کے علوم سے استفادہ کرتے ہیں مگر ان کے مخالفین نے ان کے ساتھ کیا [...]وار ا دا کیا یہ ایک طویل اور دکھی داستان ہے ؎

ع سفینہ چاہیئے اس بحرِ بیکراں کے لیے!

تفعلون " (معید النعم ومبید النقم ص۴۶)

کہ "تمہارا فروعِ دین میں تعصب اور لوگوں کو ایک ہی مذہب پر آمادہ کرنا ایسا عمل ہے جسے اللہ تعالیٰ قبول نہیں کرے گا۔ اور اس اقدام پر تمہیں محض تمہارا تعصب اور حسد آمادہ کرتا ہے۔ اگر آج امام ابوحنیفہ، شافعی، مالک اور احمد رحمہم اللہ زندہ ہوتے تو وہ تمہاری انتہائی تردید کرتے اور جو کچھ تم کر رہے ہو اس سے برأت کا اظہار کرتے۔"

بلکہ امام شاطبیؒ فرماتے ہیں:

"جو مسائل امت میں اختلاف اور بغض و عداوت کا سبب نہیں ہوئے وہ تو اسلامی مسائل ہیں مگر:

"کل مسألة حدثت وطرأت فاوجبت العداوة والبغضاء والتدابر والقطیعة علمنا انها لیست من امر الدین فی شیٔ"

یعنی "جو مسائل باہم عداوت وبغض، لڑائی اور تفریق کا سبب ہیں ان کا دین سے کوئی تعلق نہیں۔"

پھر لکھتے ہیں:۔ کہ "اسلام تو الفت و محبت اور باہم رحم و پیار کا داعی ہے:

"کل رای ادی الی خلاف ذلك فخارج عن الدین"

"ہر رائے و بات جو اس کے خلاف ہے وہ دین سے خارج ہے۔"

(الاعتصام (ص۲۳۲، ۲۳۳ ج ۲)

اور ایسے اختلاف کے بارے میں علامہ ابن تیمیہ نے لکھا ہے کہ اس سے اللہ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہوں الفتاویٰ الکبریٰ ص۳۷۹ ج۲۔

لہٰذا ان فقہی مسائل میں اگر صورتِ حال وہی باقی رہتی جو صحابہ کرامؓ وسلف کے زمانہ میں تھی تو یہ اختلاف گوارا تھا، مگر قرونِ متأخرہ میں جب تقلید و جمود کو ہوا دی گئی اور فقہی مسالک کو "شرائع اربعہ" باور کر لیا گیا تو اس کا جو نتیجہ ہوا اس کا مختصر خاکہ آپ کے سامنے ہے۔ اگر یہ اختلاف رحمت ہے تو پھر زحمت و عذاب کونسا اختلاف ہے؟

(جاری ہے)